© rasailojaraid.com

نظامِ اسلامی اور اطاعتِ رسولؐ

(حدیث کا مقام نظامِ شریعت میں)

— نعیم صدیقی —

(۷)

امت کے لیے آنحضورؐ کے اسوۂ حسنہ ہونے کا منطقی تقاضا خدا کا رسولؐ جب خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف مناصب پر مامور رہا ہو، اور وہ بالکل سرکاری حیثیت میں امت کے لیے اسوۂ حسنہ قرار پایا ہو، یعنی اپنے قول وفعل سے اسے زندگی کے ہر ہر دائرے اور شعبے میں مثالی روش کو پیش کرنا ہو تو پھر یہ بات تو قرینِ قیاس نہیں رہتی کہ اس سے نمونہ لینا یا نہ لینا، اس کی تقلید کرنا یا نہ کرنا، اس سے دین وشریعت کا سبق سیکھنا یا نہ سیکھنا، اس کا دامن تھام کر رہِ حیات پر چلنا یا نہ چلنا مساوی ہوں۔ یعنی وہ اسوۂ حسنہ تو ہو، اور ہر پہلو سے ہو، لیکن اس سے استفادہ کرنا بالکل امرِ اختیاری قرار دیا جائے۔ وہ انسانی زندگی کے بارے میں قرآن کے احکام کی تفسیر وتعبیر اپنے عملی مظاہرہ سے کرے تو سہی، لیکن اس کو قبول کرنا محض ایک نفلی یا مستحب نوعیت کا فعل سمجھا جائے۔ وہ اگر اسوہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستند اسوہ ہے تو ہونا یہ چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بعد "مطاع" ہو اور اس کی پیروی واطاعت نظامِ دینی میں قطعی طور پر لازم ٹھیرے۔ وہ جس چیز کا التزام کرے، اس میں ساری امت کے لیے التزام کرنا لازم ہو جائے۔ وہ جس چیز سے اجتناب کرے اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر واجب ٹھیرے۔ وہ جس چیز کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرے اس میں ہر مومن کے لیے پسندیدگی پیدا ہو جائے۔ وہ جس چیز سے کراہت کرتا ہو اس میں اللہ کے ہر بندے کے لیے کراہت پیدا ہو جائے۔ وہ جس سے کٹ جائے اس سے ساری امت کٹ جائے، اور وہ جس سے جڑے اُس سے ساری امت جڑے۔ وہ جدھر سے منہ موڑے اُدھر سے ساری قوم منہ موڑ لے اور وہ جدھر رُخ کر لے ساری قوم اُدھر رُخ کر لے۔ کسی عقیدے، اصول یا حکم کے مختلف تصورات میں سے جس کو وہ ترک کر دے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا بھر میں ہمیشہ کے لیے متروک ہو جائے اور جس تصور و تشریح کو وہ قطعیت سے اختیار کرے اُسے اس پر بھروسہ کرنے والا پورے شرحِ صدر کے ساتھ اختیار کر لے۔ دوسرے لفظوں میں اسے بلے چون و چرا اطاعت کا مستحق ہونا چاہیے۔ اس کا مقام لازماً دین کے نظامِ اطاعت کی ایک مستقل کڑی کا ہوگا جس کو بیچ میں سے نکال دینے سے سرے سے سلسلۂ اطاعت قائم ہی نہ رہ سکے گا۔

رسولؐ کے اسوۂ حسنہ ہونے کا یہ منطقی تقاضا کہ وہ نظامِ اطاعت کی ایک مستقل کڑی ہو، ٹھیک اسی طرح قرآن کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ قرآن رسولؐ کو اس حیثیت سے ایک جگہ نہیں، بار بار پیش کرتا ہے، اس معاملے میں اس درجہ تکرار و تصریف سے کام لیا گیا ہے کہ کسی اشتباہ کی گنجائش رہتی ہی نہیں۔ کہنا یوں چاہیے کہ قرآن — پورے کے پورے قرآن — نے آنحضور صلعم کو صرف اسی حیثیت میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس معاملے کی مرکزی آیت سورۂ نساء میں ہمارے سامنے آتی ہے اور ایسے سیاق میں آتی ہے کہ سلسلۂ کلام کو سامنے رکھتے ہوئے صرف کوئی کندۂ ناتراش ہی یہ گمان باندھ سکتا ہے کہ رسولؐ نے خدا کی کتاب پہنچائی اور اس پر اس کا کام ختم ہو گیا، امت کے لیے اس کے پاس اور کچھ نہیں ہے، اور وہ اپنے اندر اور کسی لحاظ سے کوئی اتھارٹی نہیں رکھتا۔ سورج پر مٹی ڈالنے والا شخص اس سے کم درجہ کا احمق ہوگا جو منصبِ رسالت کے بارے میں قرآن کے دئے ہوئے روشن اور واضح اور صریح تصورات کو خیالاتِ پریشان کا غبار اڑا اڑا کر ڈھانپ دینا چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اور کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ قرآن کی آیات کو مسخ کریں اور اس کے ایک ایک لفظ سے لڑائی لڑیں۔

سرکاری گواہ | سورۂ نساء اپنے نظامِ مطالب کے لحاظ سے اُن معرکہ آرا سُورتوں میں سے ایک ہے جو اسلامی نظامِ تمدن و معاشرہ کے لیے اصول، اساسیات، قوانین، اخلاقی ہدایات اور ضروری مسالہ فراہم کرتی ہیں۔ چنانچہ مختلف سیاسی اور تمدنی اور معاشی اوامر و نواہی کا بیان ہوتے ہوتے سلسلۂ کلام ذیل کی ایک اہم حقیقت کو ابھار لاتا ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا بِكُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا
بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى
بِهِمُ الْاَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝

پھر کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت کے اندر سے
(خود اس کے بارے میں کوئی) گواہ اٹھا کھڑا کریں گے، اور
(اے محمد صلعم) ان لوگوں پر آپ کو شہادت کے لیے طلب
کریں گے۔ اس دن وہ لوگ جنہوں نے انکار کی روش اختیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہوگی، اور جنہوں نے رسولؐ کی نافرمانی کی ہوگی، یہ آرزو
کریں گے کہ کاش کہ ان کو مٹی میں ملا دیا جائے ۔۔۔ اور وہ اللہ تعالیٰ (النساء آیت ۴۲-۴۱)
سے (حقیقت حال کے بارے میں) کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

مراد یہ ہے کہ یہی رسول جو آج تم کو ایک نظام خیر و برکت کا درس دے رہا ہے جو تمہارے سامنے خیر و فلاح کی راہیں کھول رہا ہے، اور جو محض استدلال سے حق کو تمہارے سامنے رکھ رہا ہے اور تمہارے دلوں میں زبردستی اپنی تعلیم کو نہیں اتار سکتا، جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، جس سے تم بھگتے ہو، جس کا ڈٹ کر انکار کرتے ہو، جس کی خیر خواہی کا جواب غصے اور نفرت سے دیتے ہو، جس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہو، اور پھر نفاق کی نقاب اوڑھ کر جس کی دعوت پر ایمان لانے کے اقرار کے بعد پھر جس کی نافرمانی کرتے ہو، جس کی اتھارٹی کے آگے سر اطاعت خم نہیں کر دیتے، یہی رسول کل عدالت آخرت میں ان تمام واقعات و احوال کا سرکاری گواہ بن کے کھڑا ہوگا اور وہ اپنی شہادت دیتے ہوئے ایک طرف یہ واضح کرے گا کہ اس نے ہدایت کو پہنچانے میں، دین حق کا پیغام سنانے میں، ایک پاکیزہ معاشرہ کے قیام میں، منشائے الٰہی کی تشریح و توضیح میں، احکام ھدیٰ کے مطابق عملی نمونہ پیش کرنے میں اپنی سی کوشش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، اور دوسری طرف وہ تمہارے کرتوتوں کے پول کھولے گا کہ کس نے ایمان کا ثبوت دیا اور کس نے انکار کی روش اختیار کی، کس نے خدا کو مانا تو اس کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی کی اور کس نے رسول کی نافرمانی میں اپنی عاقبت کو برباد کیا۔

رسول اللہ کی یہ گواہ ہونے کی حیثیت دوگونہ ہے: ایک طرف آپ بندوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس حقیقت غیبی کے گواہ ہیں جس کو زندگی کی اساس بنانے ہی میں ساری خیر و فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف آپ اپنی مخاطب قوم اور اپنی پیرو امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عدالت محاسبہ میں گواہ بنا کے کھڑے کیے جائیں گے کہ اس قوم اور اس امت نے خدا کے دین کا استقبال کس طرح کیا اور خود رسول کے احکام اور اسوہ کے ساتھ کیا روش اختیار کی؟ یہ منصب شہادت خود بتاتا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل کی طرح آنحضورؐ نظام دینی میں ایک اہم اتھارٹی ہیں۔ آپؐ نرے قاصد نہیں کہ وحی کا ریکارڈ سنا دیں، بلکہ آپ کے ذمے چونکہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر اور اسلامی ریاست کو عملاً برروئے کار لانے اور ایک صالح امت اور ایک پاکیزہ سوسائٹی کو استوار کرنے کا فریضہ ہے۔ جس میں آپؐ کو پوری پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگاہ رکھنی ہے کہ مخاطبین آپؐ کی دعوت پر کیا ردِ عمل دکھاتے ہیں، آپؐ کے پیغام کا کیا جواب دیتے ہیں، آپؐ کی اُمت آپؐ کی تعلیم کو کس حد تک جذب کرتی ہے۔ آپؐ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والے اپنے دعوے کو کس حد تک نبھاتے ہیں۔ آپؐ کا پیش کردہ نمونہ کہاں تک اختیار کیا جاتا ہے؟ یہ اتھارٹی ایک معمارِ ملّت کی اتھارٹی ہے۔ یہ ذمہ داری ایک ناظمِ اجتماعیت کی ذمہ داری ہے، یہ منصب ایک مکمل لیڈر کا منصب ہے۔ یہ کچھ اس نوعیت کا عہدہ ہے کہ جیسے ایک بادشاہ کا بھیجا ہوا نائب اس کی کسی نوآبادی میں رعایا کے سامنے بادشاہ کی مرضیات کا نمائندہ و گواہ ہو اور دوسری طرف خود بادشاہ کے سامنے وہ رعایا کے طرزِ عمل کے بارے میں اپنی رپورٹوں کے ذریعے شہادتِ حق پیش کرنے والا ہو۔ پھر اگر اُس رعایا کے مختلف افراد و عناصر کے محاسبہ کی گھڑی آجائے اور وفاداروں اور باغیوں اور فتنہ گردوں اور چھپے غداروں کے اعمال کی جانچ پڑتال کے لیے خود بادشاہ کی اپنی تحقیقاتی عدالت کارروائی شروع کردے تو ہر مقدمے میں سب سے اہم شہادت بادشاہ کے نائب کی ہوگی جو سرکاری اتھارٹی کے ساتھ گواہ کے کٹہرے میں آئے گا اور اس کی دعوت اور تعلیم کا جس جس نے جو جو جواب پیش کیا ہوگا اسے بھی سامنے رکھ دے گا اور خود اس نائب کے احکام اور اس کی دی ہوئی ہدایات میں فرماں برداری اور نافرمانی کی جیسی جیسی روش کسی نے دکھائی ہوگی اس کی رپورٹ بھی پیش کر دے گا، اور اس کے قائم کردہ اسوہ اور نمونہ اور نظیر کو جیسی جیسی وقعت کسی نے دی ہوگی اس کا حال بھی بلاکم وکاست وہ پیش کر دے گا۔

مذکورہ بالا آیت صراحت کرتی ہے کہ رسول اللہ کی شہادت جن لوگوں کے خلاف پڑے گی ان پر دو چیزوں کی وجہ سے گرفت ہوگی: ایک خدا کے دین کے خلاف کفر وانکار کی روش، دوسرے رسولؐ کی نافرمانی! یہ شہادت جس کے خلاف پڑ گئی وہ اس وقت کوئی راہِ نجات نہ پاکر یہ کہے گا کہ کاش کہ میں انسان نہ ہوتا اور مٹی میں ملا دیا گیا ہوتا۔ یہاں غور کیجیے تو "عَصَوُا الرَّسُوْلَ" کے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ نہیں کہا کہ اللہ کی نافرمانی کی، کیونکہ اس کا مفہوم "کفروا" میں ادا ہو چکا، نہیں کہا کہ قرآن سے روگردانی کی، بلکہ نہایت کھلے لفظوں میں کہا تو یہ کہا کہ "رسولؐ کی نافرمانی کی" آخر منصبِ رسالت میں کوئی اتھارٹی تھی تو زور دے کر رسول کی نافرمانی کا ذکر کیا گیا۔

یہود کی گمراہی کا راز اس کے بعد پھر کچھ احکام و ہدایات بیان ہوتے ہیں، اور یکایک بیچ میں اس مفسد گروہ کا ذکر آتا ہے جو اللہ کی کتاب پالینے کے بعد ضلالت کے گاہک بنے اور خود تو گمراہ تھے ہی، اب مسلمانوں کو بھی الفاظِ کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھیلا سکھاتے تھے اور راہِ حق سے ہٹائے جانے کی کوشش میں دن رات سرگرم تھے۔ یعنی یہود! ان لوگوں کی گمراہی کا راز کیا تھا؟ جواب دیا جاتا ہے کہ "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ" (النساء - آیت ۴۶) یعنی الفاظ کو ان کے حقیقی محلِ استعمال اور ان کے سیدھے صاف مفہوم سے ہٹا کر کہیں کا کہیں لے جاتے ہیں۔ کتابِ الٰہی کے الفاظ سے کھیلنے کی یہ چھوٹ ان کو اس لیے ملی کہ ان کے ہاں اسوۂ انبیاء کی مشعل گُل ہو چکی تھی اور صراطِ مستقیم کے جو نشانات خدا کے رسولوں کی عملی زندگی نے نصب کیے تھے اور فہمِ کتاب کے جو سنگ میل وہ کھڑے کر گئے تھے وہ امتدادِ زمانہ — اور یہود کی لاپرواہیوں کی وجہ سے — مٹ مٹا گئے۔ اب جب الفاظِ کتاب سے سنتِ انبیاء کا پہرہ اٹھ گیا تو ان کے ساتھ تاویل کا ہر کھیل کھیلنا آسان تھا۔ جس مفہوم کو یہود کے پادریوں نے چاہا الفاظِ کتاب سے نکال باہر کیا اور جس ماڈرن مفہوم کو چاہا داخل کر دیا۔ بات یہیں تک نہیں رہی، معنی کی یہ تحریف بالآخر خود الفاظ کی تحریف پر منتج ہو کے رہی۔

یہود کے اس ذہنی بگاڑ کی تازہ ترین شہادت کو قرآن نے مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا کہ دیکھ لو، ان کا حال کیا ہے! ان کی تصویر یہ کھینچی گئی کہ وہ مسلمانوں کے مجمعوں میں آکر بیٹھتے ہیں، نبی صلعم کے خطابات کو سنتے ہیں اور پھر سیدھی طرح سمعنا و اطعنا کہنے کے بجائے مسخرے پن کے ساتھ "سمعنا و عصینا" اس طرح کہتے ہیں کہ ایک طرف تو آس پاس بیٹھنے والوں کی نگاہ میں رسول اللہ کے کلام کی سُبکی ہو، دوسری طرف اگر کوئی مسلمان گرفت کرے تو دو متضاد کلموں کی آواز کی مشابہت کے پردے میں اپنا جرم یہ کہہ کر چھپا سکیں کہ صاحب! ہم نے تو "اطعنا" کہا تھا آپ کو سہو ہوا کہ آپ نے "عصینا" سمجھا! اسی طرح وہ "وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ" کا جملہ بولتے کہ جس کے دو مفہوم تھے، بظاہر یہ کہ "حضور! ذرا سنیے! خدا کرے آپ کی بات کو کوئی ردّ کرنے والا نہ ہو" اور بباطن یہ کہ "سنیے، خدا کرے کہ آپ کچھ نہ سُن پائیں"۔ اس سے مطلوب یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کا مذاق اڑے اور مسلمانوں میں بے وقری ہو، لیکن اگر کوئی ٹوکے تو کہہ دیا جائے کہ صاحب، یہ تو ہم ایک اچھی دعا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مجالس میں بیٹھ کر آنحضورؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہتے "راعنا" یعنی "ذرا ہماری طرف توجہ فرمائیے"! حالانکہ اس کا دوسرا نمایاں مفہوم یہ بھی تھا کہ "اے ہمارے چرواہے"! یہاں بھی اس دو رنگی کلام سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ آنحضور صلعم کے خلاف تمسخر و استہزاء کی ایک فضا برپا ہو، لیکن کسی طرف سے گرفت ہو تو اچھے مفہوم کو سامنے رکھ کر کہا جائے کہ واہ جناب، آپ نے بھی اتنا نامعقول آدمی سمجھا ہے کہ اتنی غیر شریفانہ بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم کہہ سکتے ہیں!

اس تازہ شہادت سے ایک طرف ان حالات پر تبصرہ ہو جاتا ہے جن سے آنحضور اور مسلمان گزر رہے تھے، اور دوسری طرف یہ حقیقت ان کے ذریعے کھل جاتی ہے کہ جو اُمت رسولوں کے اسوہ کی شمع گُل کر بیٹھتی ہے وہ پھر کتاب کے الفاظ سے جو مذاق چاہے روا رکھتی ہے۔ نیز جن لوگوں کے اندر رسول کا احترام موجود نہ ہو، اور وہ اُس کی اتھارٹی پر اعتماد نہ رکھتے ہوں تو پھر سرے سے وحی اور ہدایت اور دین اور قانون کا بھی کوئی وقار باقی نہیں رہ جاتا۔

اس آیت ۴۶ کے بعد آیت ۴۷ میں مسلمانوں کو سخت انتباہ دیا ہے کہ خبردار ایسی روش اختیار نہ کرنا کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح لعنت زدہ ہو کر رہ جاؤ۔ پھر اشارہ کیا ہے۔ یہود کے اس گروہ کی طرف جسے قرآن نے "اصحاب سبت" کا خاص لقب دیا ہے۔ یہ وہ گروہ تھا جس نے خدا کے ایک حکم کے الفاظ تو خدا کے نبی سے ٹھیک وہی لے لیے جو وحی بن کر آئے تھے، لیکن ان الفاظ کا عملی مفہوم نبی کے اسوہ سے قبول کرنے کے بجائے اُن کو آزاد تاویلات کا کھلونا بنا لیا۔ خدا کا حکم مذاق بن کے رہ گیا، کیونکہ بظاہر حکم پورا بھی ہو رہا تھا اور مچھلیاں بھی دل کھول کر پکڑی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کو اشارات میں یہاں یہ درس دیا گیا ہے کہ اگر تم نے بھی اسی طرح الفاظ کو رسول کے اسوہ سے الگ کر کے لیا اور اُن سے کھیلنے پر اتر آئے تو اس انجام کو پہنچو گے جس تک اصحاب سبت اور ان کے پیروکار پہنچے ہیں۔

یہ وہ اصل وجہ فساد ہے جس کے زیر اثر ایک طرف تو یہود کو یہ سعادت ملی کہ "اُوتوا نصیباً من الکتٰب" (آیت ۵۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے وحی کردہ نوشتہ سے ان کا دامن مالا مال ہوا، دوسری طرف یہ پستی کہ "یؤمنون بالجبت والطاغوت" یعنی بتوں کی پوجا ہے اور شیطان کی مریدی ہے! رسالت کو کتاب کے فہم میں اتھارٹی نہ ماننے اور الفاظ میں سے من مانے معنی تلاش کرنے کی آزادی کا نتیجہ یہی تو ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام کے دو تقاضے اب ہم اُس مرکزی آیت کے قریب تر آ گئے ہیں جو ہمارے استدلال کی تعمیر کا کونے کا پتھر ہے۔ نساء کی آیت ۵۵ میں یہود کے اس قومی جذبۂ حسد کی طرف اشارہ ہے جو امت مسلمہ کے لیے ان کے دلوں میں کارفرما تھا۔ اور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ "فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ واٰتینٰھم مُلکاً عظیماً" یعنی ہم نے ابراہیم کے خانوادے کو اپنی الہامی ہدایت سے، اس پر کاربند ہونے کے لیے نبی صلعم کی پیش کردہ حکمت سے، اور پھر اس کے مطابق ایک اجتماعی نظام تعمیر کرنے کے لیے عظیم الشان سلطنت سے نوازا ہے۔ ضمناً اس سلسلۂ کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بتایا جاتا ہے کہ جس دعوت کے ذریعہ یہ نعمتیں دی جارہی ہیں ایک گروہ اُس پر ایمان لانے والوں کا ہے، دوسرا گروہ اس کی راہ روکنے والوں کا ہے۔ پھر دونوں کا انجام بیان ہوا ہے (آیت ۵۵، ۵۶، ۵۷) اب سلسلۂ کلام یہیں یہاں سے آتا ہے کہ عظیم الشان سلطنت کی صورت میں کتاب و حکمت کی بنیاد پر جو نظامِ اجتماعی استوار کیا جارہا ہے اس کے دو اصولی تقاضے کون سے ہیں کہ جن کے بغیر یہ ایک دن نہیں چل سکتا۔ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ (النسآء - ۵۸)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانات (بالخصوص قیادت اور اقتدار کی امانت) کو ان کے حقداروں کو سونپو، اور جب تم لوگوں کے درمیان معاملات چکانے کے لیے (عدالت کی کرسی پر) بیٹھو تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔

عظیم الشان سلطنت پر گفتگو کرتے ہوئے موقع کا جو کچھ تقاضا تھا وہ اس آیت سے پورا ہوتا ہے۔ یعنی اسلامی نظامِ حیات کے دو امتیازی پہلو حکیمانہ انداز کے ساتھ بیان کر دیے گئے ایک ادائے امانت، دوسرا انصاف سے معاملات طے کرنا۔ ادائے امانت اور انصاف سے معاملات کو چکانا یوں تو اپنے اخلاقی مفہوم کے لحاظ سے زندگی کے جزئی سے جزئی معاملے تک وسیع ہیں، لیکن سلسلۂ گفتگو کے لحاظ سے اس عموم کو خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے اجتماعی نظم کے خاص تقاضوں کو، یعنی ایک یہ کہ مناصبِ اقتدار کو بہ حیثیت مقدس امانت کے ہمیشہ اہل لوگوں کے حوالے کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اقتدار کی مسند پر بیٹھ کر جو لوگ معاملات کا تصفیہ کرنے کی ذمہ داری سر لیں وہ اصولِ عدل کو شمع راہ بنائیں۔ ایک طرف صالح قیادت ہو، دوسری طرف صالح اصول ہوں تو جب ایک صالح معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے اور ایک اسلامی سلطنت چل سکتی ہے۔

اسلامی ریاست کا نظام سمع وطاعت یہ اشارات دینے کے بعد اب قرآن واضح کرتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کس نظامِ سمع وطاعت پر چلتا ہے۔ نظامِ سمع وطاعت کسی بھی نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے۔ اور اسی لیے دنیا کی ہر ریاست اور معاشرہ اس کو تعین سے بالعموم اپنے دستورِ اساسی میں بیان کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی اہمیت کے ساتھ قرآن نے اسلامی نظامِ طاعت کے مراتب کو ایک دینی اصول کی حیثیت سے بھی، اور ایک دستوری دفعہ کی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس معاملے میں پیش نظر آیت اتنی اہم ہے کہ ہمارے ہاں یہ بڑی وسیع دستوری بحثوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرکز و محور قرار پائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ

اے اہل ایمان! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسولؐ کی، اور ان کی بھی جو تم میں سے معاملات کی باگ ڈور سنبھالنے والے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں سلسلۂ کلام گواہ ہے کہ اجتماعی نظام کے مسائل زیر بحث ہیں اور اسلامی معاشرہ کی ضروریات ہیں کہ جن پر گفتگو ہو رہی ہے، گویا پورے کا پورا دین، پورے کے پورے شعبہ ہائے حیات، پورے کے پورے انسانی معاملات ہیں کہ جن کے بارے میں یہ حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ کام کس نظامِ طاعت پر چلنا ہے اور کون کیا اتھارٹی رکھتا ہے۔

تین مراتبِ اطاعت اس آیت کو سیدھے سادے طریق سے پڑھیے، سیدھے سادے طریق سے اس کا ترجمہ کیجیے کسی نکتہ طرازی اور کسی منطق آرائی کی ضرورت نہیں۔ کسی اونچ نیچ کا موقع نہیں، کسی الجھاؤ اور سلجھاؤ کا مقام نہیں، بات بالکل صاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "اطاعت کرو اللہ کی"، پھر کہا جاتا ہے کہ "اطاعت کرو رسولؐ کی"، اور آخر میں کہا جاتا ہے کہ اطاعت کرو اپنے اہلِ امر کی"۔ فوراً پہلا سوال یہ اٹھ کھڑا ہوگا کہ اس آیت میں مراتبِ اطاعت کتنے ہیں؟ ایک صاف ستھرا ذہن جب بھی اس سوال کا جواب خود آیت سے مانگے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ مراتب اطاعت تین ہیں، لیکن وہ اگر سوال کا جواب دریافت کرے گا منکرین حدیث سے، تو وہ بتائیں گے کہ مراتبِ طاعت دو ہیں! وہ پوچھے گا کہ حضرت، تین چیزیں کونسی ریاضی کی رُو سے دو ہو جاتی ہیں؟ اس پر ان کو بتایا جائے گا کہ حدیث کا انکار کرنے سے وہ ریاضی آدمی پر منکشف ہوتی ہے جس کا فارمولا یہ ہے کہ تین برابر ہوتے ہیں دو کے (۳ = ۲)۔ سائل مزید پریشانی کا اظہار کرے گا تو اسے پہلے تو ملاؤں کے خلاف مغلظات کا ایک ڈوز پلایا جائے گا، پھر احادیث کے خلاف ایک تقریر کانوں میں ٹھونسی جائے گی اور پھر جب اس بچارے کا سر بالکل چکرا جائے گا تو اسے تفسیری نکات یوں بتائے جائیں گے کہ خدا کی اطاعت تو ہوئی خدا کی اطاعت، یعنی قرآن پر کاربند ہونا۔ اس کے بعد آئی رسولؐ کی اطاعت: سو رسولؐ تو خود قرآن ہی کا چاہنے والا اور قرآن ہی کو پیش کرنے والا ہے۔ لہٰذا رسولؐ کی اطاعت سے مراد بھی وہی پہلی چیز ہوئی کہ خدا کی اطاعت کی جائے اور قرآن کا دامن تھاما جائے۔ رہی اگلی چیز، تو عملاً اسلامی ریاست کے کارپردازوں کی اطاعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئے بغیر تو اجتماعی نظام چلتا نہیں۔ پس اطاعتیں دو ہی تحقیق ہوئیں، ایک اللہ (قرآن) کی اطاعت، دوسری حکومتِ وقت (پارلیمنٹ) کی اطاعت! اللہ اللہ خیر سلا! رسولؐ بیچ میں سے صاف غائب۔

ملاحظہ فرمائیے، وہی بیہودہ الافساد ذہن، کہ رسولؐ کا دامن چھوڑا، اس کی سنت اور اس کے اسوہ کی اہمیت نگاہ سے ہٹی تو اس کے بعد لازمی نتیجہ کے طور پر الفاظِ کتاب سے کھیل شروع ہو گیا، اور مسخ و تحریف کی ایسی بدیہی مثالیں پیدا ہونے لگیں، بلکہ چھاپ چھاپ کر پھیلائی جانے لگیں! ان مفسرینِ قرآن سے کوئی پوچھے کہ ایسے اہم موقع کلام پر نظامِ اسلامی کی ریڑھ کی ہڈی کے طور پر ایک حقیقت بیان کرتے ہوئے قرآن سے ایسے گنجلک اسلوبِ گفتگو کی توقع کی جا سکتی ہے کہ مراتبِ اطاعت ہوں تو دو، لیکن وہ تین بن کے سامنے آئیں اور ان کو پھر دو کی شکل میں لانے کے لیے عظیم الشان ہیر پھیر کرنا لازم ہو جائے، اور اسی ہیر پھیر کے لیے امت تیرہ صدیوں تک ایک مستقل گردہ کے انتظار میں ٹامک ٹوئیے مارتی رہے۔ بات یوں کہی جا سکتی تھی کہ اطیعوا اللہ و اولی الامر منکم یا" اطیعوا القرآن و اولی الامر منکم" لیکن یہ صاف صاف طریقہ چھوڑ کر قرآن کا معیارِ فصاحت و بلاغت ایسا بیان اختیار کرتا ہے کہ جس میں" اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" کو" اطیعوا اللہ" کے ہم معنی قرار دینا پڑتا ہے اور اس کے لیے قرآن پر بڑی معرفت آرائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔

لیکن کیا کل یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنی مفسرانہ ذہانت کا یوں مظاہرہ کرے کہ" اولی الامر" کی اطاعت بھی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کے لیے، لہٰذا آیت کا مطالبہ صرف ایک ہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے۔ باقی رسول جا چکا اور اولی الامر کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے، لہٰذا مرتبۂ اطاعت صرف ایک ہی اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ دوسرے دو تو یونہی ایک زینتِ کلام ہیں۔

اس ماڈرن قسم کی معرفتِ قرآنی کی بھول بھلیاں سے نکل آئیے تو تینوں مراتبِ اطاعت نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور ان کے بارے میں آیت کو سیدھے سادے طریق سے پڑھنے میں ذرہ بھر اشکال نہیں پیدا ہوتا۔ ہم ان مراتب کو الگ الگ لیتے ہیں۔

۱۔ **خدا کی اطاعت** آیت میں" اطیعوا اللہ" کے الفاظ فی الواقع اس اصل اطاعت کو پیش کرتے ہیں جو کسی دوسری اطاعت کا تقاضا ان کے نہیں، بلکہ بجائے خود ایک تقاضا بن کر سامنے آتی ہے۔ یہ اطاعت اس تعلق پر مبنی ہے، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ جس خدا نے پیدا کیا، جس کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ زندگی بسر ہوتی ہے، جس کے رزق پر بندے پلتے ہیں، جس کی ہدایت کے نور سے فوز و فلاح کے راستے پاتے ہیں، وہ آپ سے آپ حق رکھتا ہے کہ بندوں سے اطاعت کا مطالبہ کرے اور بندوں پر لازم آتا ہے کہ وہ بندے ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت کریں۔ اس لحاظ سے یہ اصل اطاعت ہے کہ ہر دوسری اطاعت کو اس کے اوپر مبنی ہونا چاہیے، اس کے تحت ہونا چاہیے، اور اس کے تقاضا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر واجب ہونا چاہیے۔

یہ اطاعت واحد صاحبِ حاکمیت (SOVEREIGN) ہستی کے مالک الملک اور آمرِ مطلق ہونے کا تقاضا ہے۔ اس اطاعت کی حدود مقرر کرنے والا وہ خود ہے، کوئی دوسرا نہیں، اس کے دائرہ کی وسعتوں کا تعین کرنے والا تنہا وہی ہے، اسی کا امر اور اسی کا حکم آخری معیار اور آخری سند ہے۔ کوئی دوسری کسوٹی نہیں جو اس کی مرضیات اور اس کے احکام اور اس کی ہدایات کے قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرے، اس کی مرضی ہی واحد کسوٹی سب ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف کسی اور کے لیے اطاعت نہیں ہے، کیونکہ اپنے کسی حق کی بنا پر کوئی اور اطاعت کا استحقاق نہیں رکھتا۔

۲۔ رسولؐ کی اطاعت | خدا مادیت و بشریت سے ایک منزہ ہستی ہے، لہٰذا اس امر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ خود تنزیہہ کی بلندیوں سے اترے اور تجسیم کی مادی پستی میں نمودار ہو، وہ انسانی زندگی کے معاملات میں ایک عملی رہنما بن کے چلے اور پھر سوسائٹی سے مطالبہ کرے کہ سب لوگ میرے نقشِ قدم پر چلیں۔ وہ آدمیوں میں آدمیوں کی طرح رہ کر دکھائے کہ اسے کیا طرزِ عمل مطلوب ہے۔ وہ کاروبار کرے اور کاروباریوں کے لیے نمونہ بنے۔ وہ خاندانی زندگی کا قوام ہو اور قوامین کے لیے طرزِ عمل متعین کرے، وہ کسی کا باپ ہو اور ابویت کا صحیح مسلک سامنے لائے، وہ کسی کا بیٹا ہو اور شانِ فرزندی کی مثال قائم کرے، وہ کسی کا آقا اور کسی کا غلام ہو اور آقائی و غلامی کا بہترین اسلوب پیش کرے، وہ معلم، متعلم، حاکم، سپہ سالار اور جج بن کر مختلف فرائض انجام دے اور ان فرائض کی ادائی کے لیے دوسروں کو عملی روشنی بہم پہنچا دے۔ نوعِ انسانی کی یہ ضرورت کہ وہ انسانوں ہی کے ذریعے زندگی کا سبق لے سکتی ہے، اس کی مقتضی ہوئی کہ اس کے اندر سے انسانوں ہی کو اس کی اصلاح و تعمیر کے لیے اٹھایا جائے۔ چنانچہ عملی نمونہ پیش کرنا تو الگ رہا، اللہ تعالیٰ نے تو براہِ راست جملہ افرادِ انسانی سے کلام بھی نہیں فرمایا، براہِ راست تو وحی بھی نہیں اتاری، براہِ راست قرآن بھی پیش نہیں کیا۔ قرآن بھی اتارا تو بیچ میں ایک پیکرِ انسانی کو واسطہ بنا کر اتارا۔ خود اس منتخب روزگار پیکرِ انسانی کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن اپنے ایک فرشتۂ امین کے ذریعے عطا فرمایا۔ اُس نے انسانوں کے اندر سے ہر دَور میں خود انسان ہی منصبِ نبوت و رسالت کے لیے چُنے اور پھر اُن کو اتھارٹی دے کر بندوں سے مطالبہ کیا کہ میری اطاعت کرو، اور اس طرح کرو کہ یہ شخص تم سے جو کچھ کہے اس کی اطاعت کرو۔ یہ ہمارا مستند نمائندہ و ترجمان ہے! یہ ہمارے احکام کا پہنچانے والا بھی ہے اور ان کا مستقل شارح اور مفسر بھی! یہ تعلیم دینے والا بھی ہے اور عملاً اس تعلیم کے مطابق ہر پہلو سے نمونہ پیش کرنے والا بھی۔ پس رسولؐ اس معنی میں اطاعت کا مستحق ہے کہ وہ جس جس چیز کا حکم دیتا ہے اور جس جس سے روکتا ہے عین اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے حکم دیتا اور روکتا ہے۔ اور پھر اللہ کی اطاعت کرانے کے لیے حکم دیتا اور روکتا ہے۔ یہ دوسری اطاعت پہلی اطاعت کو اختیار کرنے کا عملی ذریعہ ہے۔ یہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ترجمان یا تاج کے نمائندے کی اطاعت ہے کہ جو ہر قول اور اقدام میں سرکاری پالیسی کا پابند۔ اور اس کا شارح ہے۔ رسولؐ جب نمائندۂ تاج اور ترجمانِ شاہی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے تو شاہی ہدایت و نگرانی کے تحت وہ ایک ایسی عظیم اتھارٹی سے سرفراز ہو جاتا ہے کہ جو گرہ وہ ڈال دے اسے کھولنے کا اختیار کسی کے لیے نہیں رہتا۔ اور جس گرہ کو وہ کھول دے اسے ڈالنے کا مجاز اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جدھر چلے گا ساری خدائی کو اُدھر چلنا ہو گا اور وہ جدھر سے قدم روک لے گا اُدھر سے پورے نظامِ حیات کے قدم رُک جائیں گے۔ اس کی مہر جس تحریر پر ثبت ہو گئی اس کا ایک ایک حرف اٹل ہو جائے گا، اور اس کے دربار سے جو نوشتہ مسترد ہو گیا اسے کہیں قبولیت نہ ملے گی۔

وہ لوگ جو زورِ ادب کے ساتھ استدلال کی ہوا باندھ کے ہم سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں "اطیعوا الرسول" کا مطالبہ سوائے قرآن کے اور کسی چیز کی اطاعت کو شامل نہیں ہے تو للہ! وہ یہ رازِ سربستہ بھی تو کھول دیں کہ پھر "اطیعوا اللہ" میں قرآن سے بالا تر اور قرآن کے علاوہ کونسی چیز ہے کہ جس کے لیے مطالبۂ اطاعت کیا گیا ہے۔ کیا یہ محض لفظوں کا اسراف ہے؟ ہاں، ہم اُن سے خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتے ہیں کہ اپنی خالص قرآنی فکر کے ساتھ وہ منطق، نحو، ادب، بلاغت وغیرہ کے سارے قواعد میں اجتہاد کر کے اس رمز کا بھی تو انکشاف فرما دیں کہ اگر اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول دو ہم معنی کلمات ہیں تو کیوں ایسا ہوا کہ "اطیعوا اللہ والرسول" وہ اسلوبِ بیان یہاں اختیار نہ کیا گیا۔ جو دوسری جگہوں پر آتا ہے اور جس میں تاویل بازی کے دروازے کچھ نہ کچھ کھلے رہتے ہیں۔ یہ دوسری بار "اطیعوا" کا ہے کے لیے ہے۔ اطاعت کا ایک ہی مرتبہ جب بیان ہو رہا ہو تو "اطاعت کرو" "اطاعت کرو" کو دوبارہ کہنے کی تُک کونسی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" اطاعت کرو، اللہ کی " کہنے کے بعد یہ کہا جانا کہ " اطاعت کرو رسول کی " گواہ ہے اس بات پر کہ اولین مرتبۂ طاعت کا بیان ختم ہوا اور اس کے بعد دوسرے مرتبۂ طاعت کا بیان شروع ہوا اور اس طرح دونوں مراتب الگ الگ نمایاں ہو گئے۔ ایک امر کو دو ابواب میں تقسیم کیا گیا اور ہر باب کے لیے فعل کا استعمال بالکل الگ مستقل طور پر کیا گیا اور یہ اہتمام اس لیے ہے کہ محلِ گفتگو اسلام کے نظامِ اطاعت کی کڑیوں کو بیان کرنے کا تھا اور یہیں اگر فتنہ کے لیے راستے کھلے چھوڑ دئے جاتے تو دوسرے مقام پر تو پھر منشائے قرآنی کی بالکل ہی خیر نہ تھی! اس سے بڑا کندۂ ناتراش کون ہوگا جو یہ کہے کہ یہ ایک ہی مرتبۂ طاعت ہے جسے دو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے سیدھے کان کو سیدھا ہاتھ سیدھے طریقے سے لگانا اور پھر سیدھے ہاتھ کو گردن کے گرد گھما کر سیدھے کان تک پہنچانا " مسٹرازم " کے ماڈرن ذہن کے لیے کوئی کارنامۂ فصاحت ہو تو ہو غریب قرآن کی ادبیت ان بلندیوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے!

اسلامی نظام میں معیارِ فیصلہ یہ آیت ابھی ختم نہیں ہوئی، آگے چلتی ہے۔ ایک دینی اصول اور ایک دستوری دفعہ کی حیثیت میں مسلمانوں کو یہ بھی بتایا جانا ہے کہ تمھاری فطرت میں داعیۂ اختلاف موجود ہے، اور اس فطری داعیہ کے لیے کام کرنے کا میدان اجتماعی نظام میں اسلام کی طرف سے رکھا جا رہا ہے، لہذا تمھیں جب اختلافات سے سابقہ پیش آئے گا تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ دین وسیاست کے روزمرہ کے معاملات میں وہ معیارِ فیصلہ کیا ہوگا جس کے ذریعے اختلافات رفع کئے جا سکیں۔ ہر نظامِ حیات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور ہر نظامِ حیات اس کا جواب دیتا ہے۔ علم کے دائروں میں بھی ہر نظام کو ایک معیارِ فیصلہ دینا پڑتا ہے اور سیاست کے عملی میدان میں بھی! چنانچہ اجتماعی نظام کی ریڑھ کی ہڈی کو متعین کرنے والی اس دستوری آیت میں اسلام نے بھی اپنا معیارِ فیصلہ پیش کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔	پھر اگر ان تین مراتبِ اطاعت کے تحت زندگی کا نظم چلاتے ہوئے کسی معاملے میں تمہارے اندر نزاع واقع ہو تو اس معاملے کو اللہ اور رسول کے سامنے لے جا کے رکھو!

یہاں پھر معیارِ فیصلہ کے طور پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو پیش نہیں کیا گیا۔ تنہا قرآن کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ نہیں کیا گیا، بلکہ صراحتاً کہا گیا ہے کہ اختلافات کے تصفیہ کے لیے اپنے معاملات خدا اور رسولؐ کے سامنے رکھو۔ یعنی قرآن سے اصولیات معلوم کرو، اور رسولؐ کے اسوہ سے ان کی شرح و تعبیر اخذ کرو۔ یہاں پھر فتنہ گر ذہن یہ کہتا ہے کہ:۔۔۔۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

-اللہ + رسول = قرآن - یہی نہیں ، بلکہ یہ لطائفِ قرآنی اس نتیجے تک پہنچاتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی عملی جانشین تو ہوتی ہے اسلامی حکومت ، اور اسلامی حکومت کا دل و دماغ اور اس کا مرکزِ اعصاب ہوتی ہے "اسلامی پارلیمنٹ" لہٰذا اللہ اور رسول سے مراد ہوئی پارلیمنٹ ، اور امر یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جن معاملات میں اختلاف ہو ، انہیں تم لوگ اپنے اپنے وقت کی پارلیمنٹوں کے سامنے رکھ دیا کرنا ، وہی تمہارے لیے اللہ اور رسول ہوں گی — یہ ہے قرآنی منطق جو ملاؤں کے بگاڑے ہوئے دین کو اپنی اصل حالت میں لانے کے لیے مصروفِ کار رہے - ان مجتہدینِ روزگار سے کوئی ہمیں یہ دریافت کرکے بتائے کہ اگر پارلیمنٹ آخری معیارِ فیصلہ ہو تو خود اس پارلیمنٹ کے اندر فکر و نظر کے جو اختلافات نمودار ہوں گے ، مخالف و موافق جو دلائل سامنے آئیں گے ، ان کے لیے معیارِ فیصلہ کیا چیز ہوگی ؟ پارلیمنٹ کے خدا اور رسول کو بھی تو مشخص کر دیجیے۔ غالباً وہ صدر یا اسپیکر ہوگا ، یا وزیرِ اعظم یا لیڈر آف دی ہاؤس ؟ سبحان اللہ وبحمدہ !

قرآن پر بڑے بڑے ظلم ہوئے مگر یہ نوازشات اس پر کب کسی نے کی تھیں ، اس کتابِ مظلوم کے ساتھ بڑے بڑے مذاق کیے گئے ، مگر ایسا شاندار مذاق کسی کو کہاں سوجھا ہوگا۔

اللہ اور رسول سے اختلاف کرنے کا حق نہیں | درحقیقت یہ معیارِ فیصلہ" مضمر تو آیت کے اسی پہلے حصے میں ہے جس میں اللہ کی اطاعت کو اصلاً مطلوب بنا کر ، اور رسولؐ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کے مستند نمائندہ و ترجمان ہونے کی بنا پر واجب قرار دے کر پیش کیا ہے۔ پھر اسی معیارِ فیصلہ کو نمایاں کرکے الگ بیان کر دیا ، اور اس طرح بیان کر دیا کہ یہ حقیقت از خود واضح ہوگئی کہ :

— نظامِ اسلامی میں فطری داعیۂ اختلاف کے کام کرنے کے لیے مناسب حد تک میدان کھلا ہے۔

— مسلمان باہم دگر اختلافات رکھ سکتے ہیں۔

— وہ اپنے اہلِ امر یعنی حکام کی آراء ، فیصلوں ، پالیسیوں اور اقدامات کے بارے میں بھی اختلاف کا حق رکھتے ہیں۔

— ان اختلافات کو رفع کرنے کے لیے ان کے سامنے خدا کی کتاب اور رسول کی تعبیر و تبیین کو معیار رکھا گیا ہے۔

— خدا اور رسول جب معیارِ فیصلہ ہیں تو ان سے اختلاف کا حق کسی مسلمان کو نہیں۔

آیت کا "معیارِ فیصلہ" کو سامنے لانے والا یہ حصہ ایک مضبوط شہادت ہے اس پر کہ خدا کی اطاعت مرتبہ اوّل پر اور رسولؐ کی اطاعت مرتبۂ دوم پر ایسی مستقل اور باہم دگر لازم و ملزوم ہیں کہ ان میں سے کسی کے دائرے میں بھی کسی مسلم کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چون وچرا اور اختلاف اور روگردانی کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔ اس تفکر و تدبر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت کا تقاضا اسلامی نظامِ اطاعت کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے اور اس کڑی کو نکال دیجیے تو پورا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۳ - اولی الامر کی اطاعت آیت کا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ مسلم سوسائٹی میں اولی الامر کی طاعت کی جانی چاہیے۔ لیکن ایسے گہرے اندازِ بلاغت کے ساتھ تیسرا مطالبہ آیت میں رکھا گیا ہے کہ اس کا مرتبۂ ثالث خوب اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے "اطیعوا" کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا، پھر اسی امر کو رسول اللہ صلعم کے لیے دوہرایا گیا لیکن تیسری مرتبہ امر کو محذوف رکھ کر محض عطف سے کام لیا گیا۔ یہ اسلوب شہادت دیتا ہے کہ اصلاً طاعتیں دو ہی ہیں جن پر دین کا دارومدار ہے یعنی خدا کی طاعت، اور رسول کی طاعت! اولی الامر کی طاعت مرتبۂ ثالث پر اس لیے لازم کی گئی کہ خدا اور رسول کا حکم اگر چل سکتا ہے اور اس حکم کے مطابق ایک اجتماعی ہیئت اگر تشکیل پاسکتی اور برقرار رہ سکتی ہے تو ایک نظامِ حکومت کے ذریعے ہی رہ سکتی ہے۔ اور حکومت چلانے کے لیے نہ خدا تعالیٰ کو خود آ کے کام کرنا ہے، نہ رسول اللہ صلعم ہی حیاتِ خضر لے کے آئے تھے، بلکہ خود اپنے دور میں بھی آنحضورؐ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ حکومت کے تمام مناصب پر بیک وقت خود ہی متمکن ہو کر خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے لے کر چپراسی اور سرکارے تک کے کام خود ہی کر ڈالیں۔ ناگزیر تھا کہ دستوری حیثیت سے اولی الامر کو اسلامی نظام کے سلسلۂ اطاعت کی ایک کڑی کی حیثیت دی جاتی، اور وہ دی گئی۔

مراتبِ اطاعت کی وہ ترتیب جو آیت میں سامنے آتی ہے پہلی دو طاعتوں کو اصل قرار دینے کی وجہ سے از خود یہ فیصلہ بھی کردیتی ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کا دائرہ وہاں ختم ہوجاتا ہے جہاں وہ خود اللہ اور رسول کی طاعت کی حدود سے تجاوز کریں۔ لفظ "منکم" مزید صراحت کرتا ہے کہ اولی الامر ہونے ہی وہ چاہئیں جو تم میں سے ہوں، یعنی اسی اصول، اسی ایمان، اسی فکر، اور اسی نظامِ طاعت کے قائل ہوں جس کے تم ہو۔ پھر معیارِ فیصلہ کے طور پر خدا و رسول کو جب سامنے رکھ دیا تو اولی الامر پابند ہوگئے کہ اپنے ہر فیصلے اور اقدام میں خدا و رسول کی تعلیمات کے آگے سرِ تسلیم خم کریں۔

رسولؐ بہ حیثیت اولی الامر کے تین مراتبِ اطاعت کو دو میں بدلنے والا زرخیز ذہن جہاں اطاعتِ رسول کو اطاعتِ خدا میں گم کر کے مغالطے میں ڈالتا ہے، وہاں وہ دوسری تاویل کے ذریعے اطاعتِ رسول کو اطاعتِ کے ساتھ بھی جا ملاتا ہے بلکہ یوں کہیئے کہ رسولؐ کو وہ پہلے دو حصوں میں بانٹتا ہے، ایک رسالت، دوسری امارت۔ پھر بہ حیثیت رسول تو وہ اس کو خدا کی طرف ملا دیتا ہے اور بہ حیثیت امیر وہ اسے وقت کے کارپردازانِ حکومت کے زمرے میں ڈال دیتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال سلسلۂ طاعت کی ایک کڑی اسے گم ضرور کرتی ہے، لیکن قرآن پڑھتے ہی یہ گمشدہ کڑی مل جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اطیعوا اللہ کے ساتھ بقیہ دونوں طاعتوں کو ایک ہی مد میں ڈال کر وادِ عطف سے ملایا جائے اور مفہوم یہ ہو کہ چونکہ رسول کو یہاں بطور صاحبِ امارت کے لیا گیا ہے اس لیے "رسول اور اولی الامر کی اطاعت سے مراد ایک ہی مرتبۂ اطاعت ہے"، تو پھر اس مقام پر رسول کو رسول کہہ کر کیوں پیش کیا گیا اور الگ کیوں پیش کیا گیا؟ تنہا اولی الامر کے الفاظ پورا پورا کام دے سکتے تھے۔ رسولؐ تو اولی الامر کی صف میں از خود شمار ہو جاتا۔ اس کی وجہ بیان کی جانی چاہیئے جب "رسولؐ" کا لفظ ترجمان ہی رسول اللہ کی حیثیتِ رسالت کا ہے تو اس لفظ کو حیثیتِ امامت کے لیے کیوں استعمال کیا گیا؟ حیثیتِ امارت کے لیے اور کوئی لفظ نہیں رہا تھا؟ ایجاد نہیں ہو سکتا تھا؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی فصاحت و بلاغت کی شان ہی ایسی ہے کہ لفظ رسول کا بولتا ہے اور مراد لیتا ہے منصبِ امارت۔ اس پر ہم پوچھیں گے کہ اسی آیت میں دوبارہ جب معیارِ فیصلہ بیان کیا تو پھر اللہ اور رسول کے الفاظ استعمال کیے۔ اب یہاں یکایک وہی "رسول" کا لفظ بالکل دوسرے معنی دینے لگا؟ کیا مراتبِ طاعت والے ٹکڑے اور معیارِ فیصلہ والے اس ٹکڑے میں کوئی ربط نہیں کہ ایک کو سمجھنے کے لیے دوسرے سے فائدہ اٹھایا جائے؟ آخر قرآن کو قرآن سے سمجھنے کا مسلمہ قاعدہ بھی یہاں بالائے طاق رکھ دیا جائے گا؟

آیت کی ساخت اصل صورت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مطلوبِ حقیقی کی حیثیت سے بیان کر کے باقی کا سارا ٹکڑہ بطور تفسیر دیا گیا ہے۔ یعنی دین و شریعت کا مرکزی تقاضا مسلمانوں سے یہی ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ رسول کی (فی المعروف) اطاعت کریں اور اس کے تحت کارپردازانِ حکومت کی اطاعت بھی کریں۔ رسول کی اطاعت اس لیے کہ خدا کی اطاعت کرنے کے لیے عملی صورت یہی ہے کہ اس کے انسانی نمائندہ و ترجمان کا دامن تھام کے چلا جائے۔ اور اولی الامر کی طاعت اس لیے کہ بغیر اس کے اجتماعی نظام نہیں چل سکتا ــــ اور یہاں معاملہ کسی صوفیانہ مذہبیت کا نہیں، ایک نظامِ تمدن و ریاست کا ہے۔ پھر یہ آیت اپنی تقسیمِ مطالب کے ذریعے یہ بھی واضح کر دیتی ہے کہ خدا وہ ہے کہ جس سے تم براہِ راست اپنا دین نہیں لے سکتے، تمہیں براہِ راست اگر واسطہ ہے تو ایک رسول سے ہے۔ دوسرے اولی الامر سے ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولی الامر کو یہ آیت بالکل آخر میں جا ڈالتی ہے اور اوپر سے نیچے کی ترتیب کا تصور اگر پیش نظر رکھا جائے تو سب سے پہلے خدا تعالیٰ کا اقتدار سامنے آتا ہے، پھر رسول اللہ صلعم کا منصبِ نمائندگی و ترجمانی، پھر ان کے تحت اولی الامر کا منصبِ امر و انتظام! ان کڑیوں میں سے پہلی کو ہلا دیجیے تو دین ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری کو ہٹا دیجیے تو دین کی عملی حیثیت تباہ ہو جاتی ہے۔ تیسری کو غتر بود کر دیجیے تو اجتماعی نظام کا محل گر جاتا ہے۔

اتنے مختصر الفاظ میں دنیا کا کوئی نظامِ فکر بھی اجتماعی زندگی کے لیے نظامِ طاعت کو پیش نہ کر سکا ہو گا کہ ساری کی ساری کڑیاں بھی واضح ہو جائیں اور ان کی ترتیب بھی ذہن میں آ جائے اور ہر کڑی کی مقصدی اہمیت بھی نمایاں رہے۔

یہ آیت ٹھیک اس کلمۂ طیبہ کا ایک سیاسی و اجتماعی عکس پیش کرتی ہے جس کو قبول کر کے ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے "لا الہ الا اللہ" کہتے ہی "اطیعوا اللہ" کا تقاضا پیدا ہو جاتا ہے، اور "محمد رسول اللہ" کے کلمات زبان پر لاتے ہی "اطیعوا الرسول" کا مطالبہ ابھر آتا ہے۔ اور جب بھی اجتماعی زندگی کو کلمۂ طیبہ کے مطابق استوار کرنے چلیے خود بخود "اولی الامر منکم" کی اطاعت کی ضرورت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔

لازمۂ ایمان | سورۂ نساء کی یہ معرکہ آرا آیت ایک سخت انتباہی جملہ بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ فرمایا "ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر" یعنی تم لوگ اگر خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تم کو خدا کی، رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرنی ہو گی، اور اس سلسلۂ طاعت میں خدا و رسول کی تعلیم و توضیح کو معیارِ فیصلہ ماننا ہو گا یہاں یہ اشارہ مضمر ہے کہ جو کوئی اس سلسلۂ طاعت کو قبول نہ کرے اس کا خدا اور یوم آخر پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کھلا کھلا دعویٰ ہو گا پس یہ نظامِ طاعت جوں کا توں قبول کرنا لازمۂ ایمان ہے، ان میں سے جو کڑی بھی کوئی توڑ دیتا ہے وہ ایمان گنوا بیٹھتا ہے۔

فہمِ حق کی صحیح راہ | اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ "ذالک خیر و احسن تاویلا" یعنی احکام الٰہی کی تحقیق و توضیح کے لیے اور ان پر عمل پیرا ہونے اور ان پر ایک نظامِ زندگی چلانے کے لیے یہی سلسلۂ طاعت بہترین صورت پیش کرتا ہے۔ تاویل کتاب یا تاویلِ احکام یا تاویلِ آیات کا صحیح طریقہ اس آیت نے متعین کر دیا۔ وہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں پہلے خدا کے فرمان کو دیکھا جائے پھر رسولؐ سے اس کی تشریح اور اس کے بارے میں عملی نمونہ لیا جائے اور اس کے بعد اولی الامر نے اجتہاد کے دائرے میں جو عملی صورت طے کی ہو اسے قبول کیا جائے "احسنِ تاویلاً" کی یہ راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑ کر اگر کوئی دوسری راہ اختیار کر لی جائے، اور محض خدا کے احکام کو لے کر رسول کی تشریح اور نمونے کو اڑا دیا جائے، یا اولی الامر کے اجتہادی فیصلوں کو رد کر دیا جائے تو پھر ضلالت کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی بیہودہ کوشش باطل اور رائگاں ہے جس میں قرآن کو رسول سے الگ کر کے لیا گیا ہو اور جس میں اطاعتِ خدا کو اطاعتِ رسول سے مجرد کر لیا گیا ہو۔ اسی طرح جہاں کہیں اسلامی نظام کارفرما ہو وہاں خدا و رسول دونوں کو واجب الاطاعت ماننے کے بعد اگر اولی الامر کے اجتہادی فیصلوں سے منہ موڑ کر اپنے لیے ایک الگ عمل راستہ نکالنے کی کوئی شخص سعی کرے اور معاشرہ کے اجتماعی اقدامات کا ساتھ دینے سے انکار کر دے تو اس کی قرآن فہمی اور اس کی تعبیر و تاویلِ قرآن دو کوڑی کی قدر و قیمت بھی نہیں رکھتی۔ رسول کو درکنار رکھ کر قرآن کے کتنے ہی معارف لکھ جائیے۔ کتنے ہی رسالے چھاپ ڈالیے، کتنی ہی درس و تدریس کی محفلیں جمائیے اور ملاؤں کے خلاف دل کا کتنا ہی بخار نکالیے، خود قرآن کی نگاہ میں یہ سب غبارِ پریشان ہے جو تھوڑی دیر ہوا کو مکدر کرے گا اور پھر خود بخود ہوا ہو جائے گا۔

مزید توضیحات | سلسلۂ کلام کا یہ کارواں ابھی اور آگے چلتا ہے اور ابھی استدلال کے کچھ اور موتی ہیں جو وحی الٰہی نے بکھیرے ہیں۔ اس آیت کے معاً بعد ان لوگوں کا ذکر چھڑ جاتا ہے جن کا طرزِ عمل دین و سیاست کے اسلامی نظام میں موجبِ خلل ہو رہا تھا۔ یہ بظاہر غیر مسلم لوگ نہیں تھے بلکہ ان کی شان یہ تھی کہ "يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ" (نساء ۶۰) (یہ اپنی ہدایت پر ایمان رکھنے کے زعم کو دلوں میں لیے ہوئے تھے) لیکن دوسری طرف ان کی روش یہ تھی کہ "يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ" (چاہتے تھے کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طے کرائیں تو طاغوت سے کرائیں) وہ خدا ہی کے دین کے تحت رہ کر یہ چاہتے تھے کہ رسولؐ کے منت کش نہ ہوں بلکہ آپؐ سے بالا بالا جس شیطان سے چاہیں حکم اور فیصلہ حاصل کرتے رہیں۔ متنبہ کیا گیا کہ ایسے لوگ جو خدا کے احکام میں سے من مانے فیصلے نکلوانے کے لیے رسول سے کترا کر دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ ضلالِ بعید کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ گویا ہماری امت کے اولین منکرینِ حدیث و سنت تھے۔

ان لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی کہ "تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ" (آؤ اللہ کے اتارے ہوئے ضابطہ کی طرف، اور رسولؐ کی طرف) پکار صرف قرآن کی طرف نہیں، مطالبہ رسول کے آگے اپنے معاملات کو پیش کرنے کا ہے۔ دیکھیے یہاں وہی "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" بول رہا ہے اور اس کی گونج سنائی دے رہی ہے لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا حال یہ تھا کہ "یَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا" یعنی ان کے دل آنحضورؐ کے سامنے معاملات رکھنے کے معاملے میں بالکل بھنچ کر رہ جاتے ہیں اور قدم جیسے رُک جاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے فرار کرنے کا کوئی الزام نہیں دیا جا رہا، صرف رسول اللہ کی اتھارٹی تسلیم کرنے سے گریز کو واضح کیا جا رہا ہے، اور یہی چیز ہے جس پر اُن کو نفاق کا مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔

اور پھر ——— ان کا نفسیاتی تجزیہ کرنے کے بعد اُن کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور، ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے، اسی صورت کے ساتھ (اتھارٹی دے کر) بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔

ذرا ملاحظہ فرمائیے، اس تحدّی کو، اس حصر کو، اس زورِ کلام کو، اس جامعیت کو، اس قطعیت کو، اور لہجہ کی اس تندی کو جس سے یہ فرمان صادر ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اوپر سے ساری بحث رسول کی اطاعت نہ کرنے پر ہی چل رہی تھی اور اس کو صاف کرنے کے لیے فیصلہ کن انداز میں بات ختم کی جا رہی ہے کہ ہم تو رسول بنا کر بھیجتے ہی ہمیشہ اس اتھارٹی کے ساتھ ہیں کہ لوگوں کو ان کی اطاعت کرنی ہوگی! اس سے کوئی استثنیٰ نہیں! صرف قرآن کو ماننے اور صرف خدا کی اطاعت من مانے طریق پر کرنے سے کام نہ چلے گا۔

ہمارے جدت طراز مفسرین کہیں گے کہ جی ہاں! رسولؐ کی اطاعت فی الواقع ضروری ہے لیکن صرف رسول ہونے کی حیثیت کی حد تک، اور اس حیثیت میں رسول کے تقاضے ٹھیک وہی کچھ ہیں جو کچھ قرآن کے ہیں، پس قرآن کی اطاعت مطلوب ہے۔ یہ باتیں جدت کے لطائف کے لحاظ سے دلچسپ سہی، سوال تو یہ ہے کہ اوپر سے جو جھگڑا چلا آرہا ہے اس کے پیش نظر ان الفاظ کا مدعا معلوم کیجیے۔ اوپر تو منافقین کی اس روش پر گرفت کی جا رہی ہے کہ وہ ظالم خدا اور اس کی کتاب سے انکار کیے بغیر رسول اللہ کے سامنے معاملات پیش کرنے سے اپنے آپ کو بالاتر رکھنا چاہتے تھے ——— اور اس موقع پر آپ ضرور فرمائیں گے کہ یہاں رسول کا منصب قضا مراد ہے جو اسلامی ریاست کا ایک شعبہ ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام تھا ——— لیکن منصبِ قضا پر بات ہوتے ہوتے یہاں کیسے آپہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی حقیقت انبیاء و رسل کے منصب کے بارے میں بیان کی کہ ہم رسول یونہی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھیج دیتے کہ ان سے جو جیسا معاملہ چاہے رکھے، بلکہ ہم انھیں ہمیشہ "مُطاع" بنا کے بھیجتے ہیں۔ یا تو دونوں جگہ منصبِ قضا کو سامنے رکھیے یا دونوں مقامات پر منصبِ رسالت و نبوت کو! اور پھر بتایئے کہ کیا مفہوم ہاتھ آیا؟

مگر قرآن آپ کو یوں چھوڑتا کہاں ہے۔ یہ تو اہلِ زیغ کو بڑے گھر تک پہنچا کے رُکتا ہے۔ آگے سنیئے۔ ان منافقین کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے، ظلم ڈھاتے ہی فوراً آپؐ کے پاس حاضر ہوتے اور — فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابًا رحیمًا (آیت ۶۴) یہ ان کو راہِ اصلاح بتائی، ان کو توبہ کا طریقہ بتایا۔ کیا؟ یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں، اور رسولؐ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرے۔ دیکھیے وہی ترتیب یعنی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے ایک جزء سے انحراف ان کا وہ گناہِ عظیم ہے جس کے بخشوانے کے لیے ان کو رسول اللہ کی خدمت میں پشیمانی کے ساتھ حاضر ہونا چاہیے، پھر خود خدا سے توبہ کرنی چاہیئے اور دوسری طرف رسولؐ کو راضی کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی معافی کے لیے دعا کرے! اب فرمایئے کہ اگر بندوں کا معاملہ رسولؐ سے سروکار رکھے بغیر خدا سے براہ راست ہوتا اور ان کو اپنا دین اپنے خدا سے لے کر اپنا مسلک خود بنانا ہوتا اور اس دین سے فیصلہ از خود اخذ کرنا ہوتا تو وہ جب بھی مجرم ہوتے تو خدا ہی کے مجرم ہوتے اور خدا ہی سے مغفرت طلب کرنے پر معاملہ بس کرتا لیکن قرآن بتاتا ہے کہ جب وہ رسول کی نافرمانی کرتے ہیں یا اس کی اتھارٹی کو نظر انداز کرتے ہیں تو خدا اور رسول دونوں کے سامنے مجرم ٹھہرتے ہیں اور لازم ہو جاتا ہے کہ دونوں سے معاملات کو صاف کریں! دیکھیے یہاں بھی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے!

رسولؐ آخری حکم ہے

مضمون کی اہمیت ایسی ہے کہ مغالطوں کا ایک ایک کانٹا چن کر نکال دینے کے لیے گفتگو اور آگے چلتی ہے۔ شکوک کو اور صاف کیا جاتا ہے، شبہات کا مزید ازالہ کرنا ملحوظ ہے۔ فتنہ کے دروازے بند کرنے کا اور بھی شدید اہتمام کیا جاتا ہے۔ اب ہم ایک ایسی آیت پر پہنچتے ہیں جو مذکورہ بالا آیت کی طرح رسول اللہؐ کی اتھارٹی کو متعین کرنے میں بدرجہ واضح اور اہم ہے۔ ملاحظہ ہو:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء - ۶۵)

سو (اے رسولؐ خدا) تیرے آقا کی قسم کہ یہ لوگ ایمان کی دولت سے اس وقت تک مالامال نہیں ہو سکتے جب تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجھے اپنے معاملات میں حکم نہ بنالیں۔

وہی معیارِ فیصلہ جس کا اوپر بیان ہو چکا ہے، اسی کے ایک پہلو کو یہ آیت اور زور سے ابھار کر سامنے رکھ دیتی ہے۔ معیارِ فیصلہ خدا اور رسول ہیں، لیکن چونکہ جس گروہ کے فسادِ ذہن پر بحث ہو رہی ہے وہ خدا کی اتھارٹی ماننے میں کوئی اختلاف نہیں رکھتا تھا، اس لیے متفق علیہ پہلو کو بحث میں ساقط کر کے رسول کی اتھارٹی کے اس پہلو پر پورا زور دیا گیا جس میں اختلاف تھا۔ وہ لوگ "قرآن" کو لیتے تھے اور "رسولؐ" کو درکنار رکھنا چاہتے تھے۔ وہ رسولؐ سے لگا ڈکر خدا سے براہ راست یاری گانٹھنا چاہتے تھے۔ وہ تاج کے نمائندہ و ترجمان سے سرکشی کر کے سلطانِ حقیقی کی آنکھوں میں وقار حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم رسولؐ سے انقطاع کر کے بالا بالا خدا سے واسطہ قائم رکھنے کی جو الٹی چال چل رہے ہو اس طرح تم ایمان سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ رسولؐ کو حَکَم اور معیارِ فیصلہ نہیں مانو گے تو تمہارا قرآن کو ماننا بھی اللہ کے ہاں معتبر نہیں ہے اور وہ تمہیں اہل ایمان کے دائرہ سے خارج کر کے کفار کی فہرست میں شامل کرے گا۔

اس مقام پر ایک تو لفظ یُحَکِّمُوْكَ قابلِ غور ہے۔ حَکَمَ یَحْکُمُ حکماً (بالامر وللرجل او علیہ وبینہم) کے معنی ہیں قضیٰ و فصّل، یعنی معاملے کو چکایا اور مختلف فیہ امر میں فیصلہ دیا، اُس کا حق اُس کے لیے متعین کر دیا اور اس کا حق اِس کے لیے! ایک فریق کی ذمہ داری اور دوسرے فریق کی ذمہ داری کو فیصلے کی لکیر کھینچ کر الگ الگ کر دیا۔ فیصلہ دینے میں وہ قوت و اختیار شامل ہے جس کے تحت اس کو منا جائے۔ اسی لیے اس مادے سے اَحکَمَہ، جب کہیں گے تو مراد یہ ہوگی کہ اُس نے اُسے کسی طرف سے لوٹایا اور لوٹ گیا، اسے باز رکھا اور وہ باز آگیا۔ اَحکَمَ الفرس کہیں گے تو مطلب ہوگا کہ وضع علیہا حَکَمَۃ، یعنی اس کی باچھوں کے اندر لگام کی رسی ڈالی۔ "اَحکَمَہٗ عن" کہیئے تو مدعا یہ ہوگا کہ اسے فلاں چیز سے روک دیا اور پھیر دیا۔ پھر اس مادے سے آتا ہے "حَکَّمَہٗ" جو معنی دیتا ہے، وَلَّاہُ وَاَقَامَہٗ حَاکِماً یعنی اسے اختیارات سونپے یا حاکم بنایا، حَکَّمَہٗ فی الامر کے معنی ہوں گے، فَوَّضَ اِلَیْہِ الحُکْمَ فِیْہِ، یعنی کسی معاملے میں فیصلہ دینے کا اختیار اس کے حوالے کر دیا حَکَّمَہٗ عَنْ کَذَا کا ترجمہ ہوگا: ارجعہٗ و منعہٗ، یعنی اسے کسی چیز سے ہٹایا اور باز رکھا۔ "الحَکَم" کہتے ہیں مُنَفِّذِ الحُکْم کو یعنی وہ شخص یا ادارہ جس کی اتھارٹی سے فیصلہ صادر اور نافذ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مختصر لغوی وضاحت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حَکَمَ یَحْکُمُ کا مادہ ایک اتھارٹی کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ اتھارٹی ایسی ہے کہ جس کا حال مختلف فیہ امر میں فریقین کو فیصلہ دینا ہے ، وہ حق اور باطل، جائز اور ناجائز کو تقسیم کردیتا ہے۔ وہ دونوں کے حقوق اور دونوں کی ذمہ داریوں میں خطِ فاصل کھینچتا ہے۔ وہ ہر فریق کو کسی چیز سے ہٹانے پھیرنے اور باز رکھنے کا سزاوار ہے۔ حَکَمَ یَحْکُمُ کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کے لیے اس اتھارٹی کو اپنی رضا سے تسلیم کرکے اپنے معاملاتِ نزاعی کو اس کے سامنے رکھنا اس میں یہ بات از خود شامل ہے کہ سرتابی کا حق اپنے لیے ختم کرلیا گیا ہو۔

یہ پوزیشن ہے جو قرآن نے رسول اللہ صلعم کو نظامِ دین میں عطا کی ہے۔ یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے تو لوگوں کے معاملات میں حکم ٹھہرایا ہی ہے، لیکن مطلوب یہ ہے کہ مسلمان بہ طوع و رغبت آنحضورؐ کی اس اتھارٹی کو تسلیم کریں۔ محض سیاسی دباؤ سے یہ حیثیت تسلیم کرکے چارو ناچار آپؐ سے فیصلے لینا اور بادلِ ناخواستہ ان کو ماننا ایمان سے بہرہ ور نہیں کرسکتا۔ یہ صورت تو صرف آدمی کو اسلام کے سیاسی نظام میں ظاہری حیثیت سے مسلم کا درجہ دلواسکتی ہے، لیکن دینی حیثیت سے عند اللہ آدمی کا مومن ہونا تقاضا کرتا ہے کہ آنحضورؐ کو طوع و رغبت سے فیصلہ کن اتھارٹی مانا جائے۔ (باقی)

فاطمین مصر
(زیر طبع)

سلاجقہ
از: سید ابوالاعلیٰ مودودی

المعتصم
(زیر طبع)

دولتِ عباسیہ کے سیاسی زوال کے بعد جس سلطنت نے ممالکِ اسلامیہ کے بیشتر حصہ کو ایک مرکز پر جمع کیا اور مسلمانوں کو سیاسی انتشار اور پراگندگی سے نکال کر دنیا کے سامنے عالمِ انسانی کا رہنما اور امام بن کر آخری مرتبہ پیش کیا وہ سلجوقی سلطنت تھی اس کے کارنامے مولانا کی اس تاریخی کتاب میں ملاحظہ کیجیے۔ قیمت : ۳/۸

سول ایجنٹ: طاہر رسول قادری، ۸۱ پیر غازی روڈ اچھرہ • مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان
اور اپنے شہر کے کتب فروشوں سے طلب فرمائیں۔

© rasailojaraid.com